منتخب کشمیری منظومات

حبہ خاتون

جموں و کشمیر

سلسلۂ منتخب کشمیری منظومات نمبر ۱

حبہ خاتون

مصنفہ و مؤلفہ
امین کامل

کلچرل اکادمی
جموں و کشمیر

بار اول، ۱۹۵۹ء
تعداد، ایک ہزار
قیمت، ۵۰ عہ
مطبوعہ، جنید برقی پریس بلیماران دہلی

فہرست :-

سوانحی حالات

حبہ خاتون کشمیری زبان کی ایک ممتاز شاعرہ ہے اور کشمیری موسیقی کی رُوحِ رواں بھی۔ اس کے گیت آج بھی کسانوں کی تھکن دور کرتے ہیں اور راگ[1] رنگ کے دلدادہ اربابِ ذوق کی محفلوں کو گداز بخشتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود اس کی زندگی کے حالات، ماضی کے دھندلکوں میں کچھ اس طرح چھپے ہوئے ہیں کہ تیز بینی کے باوصف ٹھیک سے کوئی پہلو اُجاگر نہیں ہوتا۔ یہ صورتِ حال صرف اسی شاعرہ کے ساتھ نہیں بلکہ آج سے صرف چالیس پچاس برس پہلے کے کشمیری شاعروں کے ساتھ بھی ہے۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ کشمیری عوام کی اکثریت اَن پڑھ ہے۔ یہ لوگ اپنی پسند کے اشعار ایک دوسرے سے سُن سُنا کر حفظ کرتے اور انہیں سینہ بہ سینہ محفوظ کرتے جاتے ہیں۔ ان کی بنیادی غرض چونکہ اپنے ذوق و وجدان کی تسکین ہوتی ہے اس لئے شعرا کے سوانحی حالات جاننے سے زیادہ اشعار کے حفظ ہی پر اکتفا کرتے ہیں۔ حُسنِ اتفاق سے اگر ان اشعار کے مقطع میں شاعر کا نام آیا تو محفوظ رہا، نہیں تو کچھ مدت کے بعد یہ جاننا مشکل ہو جاتا ہے کہ وہ کس کے کہے ہوئے اور کس وقت کی پیداوار ہیں۔

حبہ خاتون کے متعلق جو تاریخی مواد ہمیں دستیاب ہوئے ہیں اُن میں اس قدر اختصار و اختلاف ہے کہ ان کی روشنی میں ہم اس کی زندگی پر کوئی بھرپور نظر

[1] راست کشمیری : جو کشمیری موسیقی کا ایک اہم مقام ہے حبہ خاتون ہی سے منسوب ہے۔ اس کے گانے کا وقت رات کا چوتھا پہر ہے۔

نہیں ڈال سکتے۔ سب سے پُرانی شہادت پنڈت بیربل کاچرو کی ہے۔ جس نے حبہ خاتون کے کوئی ڈھائی سو سال بعد کشمیر کی ایک تاریخ لکھی ہے۔ اس سے پیشتر کے تمام وقائع نگار اس سلسلے میں بالکل خاموش ہیں۔ پنڈت کاچرو لکھتا ہے

"یوسف شاہ چک[1] حبہ خاتون نام کی ایک محبوبہ[2] سے جو حسن و جمال اور لہجہ و آواز میں بے مثل تھی، صحبت رکھتا تھا۔ تفصیل یہ ہے کہ اُس کے آباو اجداد پرگنہ وہیو (پانپور) کے گاؤں چندہار کے رہنے والے تھے۔ جب وہ سنِ بلوغ کو پہنچی تو اُس کی شادی اپنے ہی خاندان میں کر دی گئی۔ کچھ عرصہ کے بعد اپنی اقتضائے طبیعت کے باعث وہ کشمیری اشعار گانے لگی۔ جس پر اس کی سسرال کے تمام چھوٹے بڑے اس کو لعنت و ملامت کرنے لگے۔ آخر ایک دن اُس کی سرچادر کے پلو میں خلع نامہ باندھ دیا گیا اور اُسے اس کے خاوند کے ہمراہ کسی بہانے گھر سے نکال کر میکے کی طرف روانہ کر دیا گیا۔ اثنائے راہ میں جب یوسف شاہ کے ملازموں نے اس کی شکل و صورت کو دیکھا اور اُس کی آوازِ شیریں کو سُنا تو اُنہوں نے اُسی وقت حضور[3] ولی نعمت کے پاس اُسے پہنچا دیا۔ وہ اُس کے حسنِ صورت پر ہزار جان سے فریفتہ ہوا اور اُسے اپنی ہم بستری کا شرف عطا کیا۔"

(فارسی سے ترجمہ)

[1] کشمیر کا آخری خود مختار بادشاہ۔ جو کہ حد درجہ کا عیاش اور رنگیلے مزاج کا آدمی تھا۔ عہد حکومت ۱۵۷۹ — ۱۵۸۵ء

[2] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حبہ خاتون کو ملکہ کا درجہ حاصل نہیں تھا۔ تاریخوں میں والئ کشتواڑ کی بیٹی کو یوسف شاہ کی ملکہ بتایا گیا ہے جس کے بطن سے یعقوب شاہ ہوا تھا

[3] ابھی یوسف شاہ کی تاج پوشی نہیں ہوئی تھی

بیربل کاچرو کا یہ بیان بعد کے تمام وقائع نگاروں سے کہیں زیادہ معتبر ہے کیونکہ روایت جتنی پُرانی ہو، اُتنی ہی حقیقت کے زیادہ قریب ہوگی۔ بعد میں امتدادِ زمانہ سے اصل حقیقت پر افسانوی تعریف کی اتنی موٹی تہیں جم جاتی ہیں کہ ان کو کریدنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ اس تحریر کے کوئی ساٹھ ستر سال بعد حسن کوہیامی اپنی مشہور تاریخ میں چند اور باتوں کا انکشاف کرتا ہے:۔

"کہتے ہیں کہ وہ گلعذار پرگنہ وہیو (پانپور) کے چندہار گاؤں کے ایک زمیندار کی لڑکی تھی۔ اُس کی شادی ایک آوارہ مزاج اور قلاش آدمی سے ہوئی تھی۔ اپنے خاوند کی اس اوباشی کے باعث اُس کی سسرال والوں سے بن گئی[1] اور بات میاں بیوی کی علیحدگی پر ختم ہو گئی۔ ایک دن راہ چلتے یوسف شاہ کی نظر اس پر پڑی جب کہ وہ مقام عراق پر کوئی کشمیری گیت گا رہی تھی[2]۔ اُس کے ہوش جاتے رہے۔ چنانچہ دوسرے دن اس کے ماں باپ کو بے انتہا مہربانیوں سے سرفراز کر کے اس نازنین صورت کو اپنی ہم بستری سے عزت بخشی۔" (فارسی سے ترجمہ)

ان روایات پر مبنی مختصر اور متضاد بیانات کے بعد ۱۹۳۲ء میں محمد دین فوق نے اپنی اُردو تالیف "خواتینِ کشمیر" میں پہلی بار حبہ خاتون کی سوانح پر تفصیل سے بات کی ہے جس کا ماحصل یہ ہے:۔

"چندہار کے گاؤں میں ایک کسان عبدی راتھر رہتا تھا۔ اُس کے یہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ جس کا نام اُس نے "زُون" رکھا۔ اُس کی

[1]، [2] بیربل کاچرو کا بیان ان دونوں باتوں سے متعلق بالکل مختلف ہے

خوبصورتی کا یہ عالم تھا کہ لوگ اُسے دُور دُور سے دیکھنے آتے۔ غریب باپ نے پہلے تو پانچ سال تک اسے گاؤں کے ایک مُلّا کے پاس قرآن شریف پڑھایا۔ پھر امام مسجد کو اُس کی عربی اور فارسی تعلیم کے لئے اتالیق مقرر کیا۔ ایک ایسے گھر میں جہاں اس کے سوا کوئی بھی شخص الف بے سے بھی واقف نہ تھا' اس کا مذہبی و اخلاقی علوم پر مہارت حاصل کرنا لوگوں کی چہ میگوئیوں کا موضوع بن گیا۔ عبدی راتھر نے اپنی بیٹی کی ان علمی ترقیوں سے خائف ہو کر' خاص کر جبکہ دُور دُور سے عالم و فاضل اس سے ملنے آتے' اس کی شادی اپنے ہی خاندان کے ایک نوعمر لڑکے سے کر دی۔ یہ لڑکا نہ صرف اَن پڑھ تھا بلکہ حد درجہ بد اخلاق بھی۔ زُونی نے اپنی ساس اور شوہر کے طعن و تشنیع کے باعث کتابوں کا مطالعہ چھوڑ دیا اور عملی طور پر کھیتی باڑی میں جُت گئی۔ لیکن اس کے حساس دل کو جو صدمہ پہنچا وہ کشمیری اشعار کی صورت میں ظاہر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ ایک دن زُونی نے ایک صوفی خواجہ مسعود کو اپنے مصائب کی داستان سُنائی۔ اُس نے رقت و حال کے عالم میں اس کا نام "حبہ خاتون" رکھ دیا۔ ۱۵۷۰ء کی بات ہے کہ حبہ خاتون کھیت میں گوڈی کرتے ہوئے مقام عراق پہ کوئی کشمیری گیت گا رہی تھی کہ یوسف شاہ کا وہاں سے گذر ہوا۔ وہ اس پر فریفتہ ہو گیا اور اسے اس کے شوہر سے پانچ ہزار درہم کے عوض طلاق دلوا کر اپنی ازدواجیت میں لایا۔ اُس وقت یوسف شاہ کی عمر ۲۸ اور حبہ خاتون کی ۲۹ سال کے قریب تھی۔ اس کے بعد حبہ

خاتون نے چودہ سال تک ملکۂ کشمیر بن کر شاہانہ زندگی بسر کی۔

یوسف شاہ راگ رنگ اور نغمہ و سرود کا بے حد دلدادہ تھا اس کے دربار میں کئی ماہر فن موسیقار تھے جن کی تربیت سے حبہ خاتون نے تھوڑے عرصہ میں فن موسیقی پر عبور حاصل کیا۔ پھر ان ہی موسیقاروں کی مدد سے فارسی موسیقی کے اصول و قواعد مرتب کئے اور اپنی کشمیری غزلیں جو کہ فارسی طرز پر[1] تھیں اس میں شامل کر لیں۔ ۱۵۸۶ء میں جب اکبر اعظم نے کشمیر کو فتح کیا اور یوسف شاہ کو گرفتار کر کے بنگال میں نظر بند کیا اُس وقت مغل گورنر نے حبہ خاتون کی گرفتاری کا پروانہ بھی جاری کیا تھا۔ مگر وہ اس حکم سے پہلے ہی محلات شاہی چھوڑ اور فقیرانہ لباس پہن تارک الدنیا ہو گئی اور پاندہ چھوک کے مقام پر دریائے جہلم کے کنارے اپنی کٹیا بنالی۔ کچھ مدت کے بعد اس دُنیا سے رخصت ہو کر اسی جگہ دفن ہو گئی۔[2]"

یہ حالات فراہم کرنے میں حضرت مہجورؔ مرحوم محمد دین فوق کے معاون تھے۔ جس کا اعتراف مؤلف نے اس مضمون کے تحت نوٹ میں کیا ہے۔ مرحوم مہجور[3]

[1] فارسی طرز سے اگر فارسی بحور مراد ہے تو یہ بات حبہ خاتون کے گیتوں پر صادق نہیں آتی

[2] فوق نے تاریخ بہارستانِ شاہی کی بُنیاد پر حبہ خاتون کی تاریخ پیدائش کا تعین ۱۵۴۱ سے ۱۵۵۰ء کے درمیان کیا ہے اور عمر کا تخمینہ ۵۶ ۔ ۷۵ سال لگایا ہے لیکن مجھے اس تاریخ میں اس تاریخ پیدائش کی بات تو الگ رہی حبہ خاتون کا ذکر تک نہ ملا۔ یہ تاریخ ۱۵۸۱-۱۶۱۲ء کے درمیان کی تحریر ہے

[3] غلام احمد مہجور جدید کشمیری شاعری کے پیشرو تھے۔ ۱۹۵۲ء میں وفات پا گئے۔

کی اس معاونت کی اساس کسی تاریخی شہادت پر نہ تھی بلکہ جیسا کہ بتایا جاتا ہے انہوں نے بھی عام روایت کو یہ ایک خاص ترتیب دے دی تھی۔ بہر صورت مجہور مرحوم اور محمد دین فوق کی اس ترتیب دی ہوئی کہانی کو حبہ خاتون کی سوانح کے طور پر اندرون و بیرون کشمیر میں تشہیر مل گئی۔

اس ضمن میں یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ آزاد مرحوم[1] نے ۱۹۴۲ء میں اپنی "کشمیری زبان اور شاعری"[2] میں حبہ خاتون کی سوانحی حالات کے متعلق حسن کھوئیہامی کے بیان پر صرف اتنی اضافہ کی ہے کہ حبہ خاتون کا اصل نام "زُون" اور اُس کے شوہر کا نام عزیز لون تھا۔ حالانکہ انہوں نے اس کی تحقیق کے سلسلے گیا چیاں کا گاؤں گاؤں چھان مارا تھا۔

درحقیقت اس زُون نام کی بنیاد حبہ خاتون کے اس شعر پر رکھی گئی ہے:۔

اَسو روان نالہ دوان گژھنہ متھ لُگ زُونہ تے

(میرے والدین افسوس کرتے رہے کہ ہمارے "چاند"[3] کو گہن لگ گیا ہے)

اس کے چندہار گاؤں کی ہونے کا قیاس اس شعر پر کیا گیا ہے:۔

مالِنۍ میون چھیو ژندہ ہارہ گچھے

(میرا میکہ "چندہار بالا" ہے)

باقی کہانی بیربل کاچرو اور حسن کھوئیہامی کے بیانات پر بڑے تکلف نہ انداز

[1] عبدالاحد آزاد۔ جدید کشمیری شاعری کے ایک عظیم شاعر تھے۔ ۱۹۴۸ء میں وفات پاگئے

[2] جموں و کشمیر کلچرل اکادمی اس کتاب کو تین جلدوں میں شائع کر رہی ہے

[3] زُون کشمیری میں "چاند" کو کہتے ہیں

[4] مجھے شبہ ہے کہ یہ گاؤں پرگنہ ونپو (پانپور) کا چندہار ہے

میں رنگ آمیزی اور حاشیہ آرائی کر کے جزئیاتی تفصیل کے ساتھ ترتیب دی گئی ہے۔

تنقیدی جائزہ

آج سے کوئی چھ سو سال پیشتر کشمیری ادب کی بنیادیں شیومت کی باکمال عارفہ للہ ایشوری اور مذہب و تصوف کے بے مثال مبلغ حضرت نور الدین ریشی کے قطعات (واکھوں) سے استوار ہوتی ہیں۔ اُن خارجی صبر آزما مشکلوں کو سامنے رکھتے ہوئے جو کشمیری زبان کو سہہ لینے پڑے۔ نہ صرف کشمیری ادب کی ضخامت اور تنوع ہی حیران کن ہے بلکہ یہاں کے شاعروں کی سخت کوشی اور غیر متزلزل ارادہ کی بھی تصویر سامنے آجاتی ہے۔ اس وسیع شعری سرمایہ کا اکثر و بیشتر حصہ عشقیہ یا رومانی گیتوں اور غزلوں پر مشتمل ہے جس کی طرح "جہاں تک ہماری نظر کام کرتی ہے" حبہ خاتون نے ڈالی ہے۔

حبہ خاتون کی رُوح کو سمجھنے کے لئے اُس تاریخی، معاشی اور معاشرتی فضا کو سمجھنا ضروری ہے جس میں وہ رات دن سانس لیتی رہی۔ کیونکہ ایک شاعرہ ہونے کے رشتے سے وہ اپنے وقت کی تاریخ اور ماحول کے اُتار چڑھاؤ سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی تھی۔ یہ ٹھیک ہے کہ ہمارے یہاں معیاری تاریخی معلومات کی بڑی کمی ہے جس کے باعث ہم جزئیاتی طور پر اخذ نتائج کی اہمیت نہیں رکھتے ہیں۔ پھر بھی ہم حالات کی مجموعی اثر انگیزی تک کچھ نہ کچھ راہ پا سکتے ہیں۔ چنانچہ وہ سولہویں صدی کے اُن پُر آشوب ایام میں تھی جب کشمیر کے چک خاندان کی

سلطنت زوال کی آخری ہچکی لے رہی تھی اور جس کو مغل شہنشاہ اکبر اعظم کی ایک ہی یلغار نے ہمیشہ کی نیند سُلا دیا۔

مغلوں کی یہ یلغار ایک طرف سے کشمیر کی قومی آزادی کا ایک الم ناک مرثیہ و جنازہ تھی، دوسری جانب سے اُس وقت کے سماجی و معاشی حالات کے پیشِ نظر یہاں کے عوام کے لئے قدرے خوش آیند زندگی کی بشارت تھی۔ اس سے انکار نہیں کہ مغلوں کے شاہی نظام کا قصر بھی جاگیر داری ہی کے ستونوں پر ایستادہ تھا۔ لیکن ایک ملک کے قومی توازن اور حد بندی کے استحکام اور تحفظ کے لئے جس مرکزی قوت کی ضرورت ہوتی ہے وہ اس میں غایت درجہ موجود تھی۔ اس کے برعکس کشمیر کی مرکزی حکومت کا شیرازہ بکھر چکا تھا۔ اور بڑے بڑے جاگیر دار بے پناہ اندرونی تضادات کا شکار ہو چکے تھے۔ اس اندرونی اُلجھن کے نتیجے میں شہر شہر اور گاؤں گاؤں میں قیامت کی دھاندلی مچی ہوئی تھی۔ روز نت نئی آویزشیں، تازہ دَم سازشیں اور ختم نہ ہونے والی خانہ جنگیاں اُودھم مچا رہی تھیں۔ کوئی سے دو جاگیر دار صبح متحد ہو کر شام کو دست و گریباں ہوئے بغیر نہیں رہتے۔

اس صورتِ حال کی شروعات شمیری خاندان[1] کے سلطان فتح شاہ کے زمانہ ۱۵۱۶ء میں ہو گئی تھیں جب کہ وہ ملک کو چار حصے کرکے تین حصے سرِ خیل جاگیر داروں کے حوالے کرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ اس کے بعد سلطان محمد شاہ کے وقت ۱۵۲۹ء میں یہ ملکی تقسیم پانچ تک پہنچ گئی۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ نازک شاہ کے زمانہ ۱۵۴۰ء میں مرکزی بادشاہت بالکل برائے نام رہ گئی۔ چنانچہ ۱۵۵۲ء میں جب علی چک نے دربارِ عام میں اس خاندان کے آخری

[1] چکوں سے قبل کشمیر کا حکمران خاندان جو کہ ۱۳۴۳ء سے ۱۵۵۴ء تک برسرِ اقتدار رہا

تاجدار سلطان حبیب شاہ کے سر سے شاہی تاج زبردستی اُتار کر اپنے بھائی غازی چک کے سر پر رکھا تو بادشاہ کو مجالِ دَم زدن بھی نہ ہوئی۔

چکوں کے عہدِ حکومت میں اگرچہ یہ ملکی تقسیم اس ڈھنگ پر باقی نہ رہی، پھر بھی قومی توازن کا وہ بگاڑ جو کہ یہاں کے سیاسی ڈھانچے کو متزلزل کر رہا تھا ان کے ہاتھوں سے بھی نہ رُک سکا۔ یہاں تک کہ ہر وہ تبدیلی جو کہ اس ڈھانچے میں اصلاح کے خیال سے کی جاتی تھی زوال و انحطاط ہی کی داخلی کیفیت پیدا کرتی تھی۔ ایسے ناسازگار سیاسی حالات میں حبہ خاتون نے جنم لیا تھا[1]۔

اس گھناؤنی تصویر کا ایک اور بھی رُخ تھا اور وہ یہ کہ شیعہ و سُنی فسادات کے باعث سارے ملک میں ایک افراتفری اور ہلچل مچی ہوئی تھی۔ دونوں جانب سے بے شمار خون خرابہ ہو رہا تھا۔ یہ شیعہ تحریک ملک کو پانچ حصے کرنے والے سلطان محمد شاہ کے وقت میں شروع ہوئی اور اساسی طور پر سادات کے اقتدار کے خلاف جن کو امورِ سلطنت میں زبردست دست اندازی تھی، ایک بغاوت تھی۔ چک بھی اس تحریک میں شامل ہوئے اور اس کو اپنے حصولِ اقتدار کا ذریعہ بنانے لگے۔

سادات کا اقتدار چھن گیا اور حکومت (شاہی تخت و تاج تک) چکوں کے ہاتھ میں آ گئی۔ لیکن ملک کا نظم و نسق اور امن و امان کسی ٹھکانے نہ لگ سکا۔ کیونکہ اب دوسرے جاگیر دار، جن میں سادات بھی شامل تھے

[1] سنہ ۱۵۵۱ء اور ۱۵۵۲ء کے درمیان

ان کے خلاف صف آرا ہو کر اپنے اقتدار کے خواب دیکھنے لگے۔ اسی صف آرائی کا نتیجہ تھا کہ یوسف شاہ چک کے وقت میں۱؎ سید مبارک شاہ بیہقی نے جو کہ سادات میں ایک بارسوخ شخصیت تھی تختِ شاہی پر قبضہ کر لیا۔ اگرچہ یوسف شاہ چک جلدی ہی اس کو دوبارہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ ایسے گلے سڑے نظام کے بدلے اُس وقت ایک ایسی حکومت کی ضرورت لاحق ہو گئی تھی جو کہ اندرونی تضاد کے شکار ان جاگیرداروں کی ریشہ دوانیوں کا خاتمہ کر کے ملک کو ایک مستحکم اور واحد نظام کے تحت لائے۔ مغلوں کی تسخیر نے بے شک، یہ فریضہ انجام دیا۔

سیاسی انتشار لازمی طور پر ملک کے معاشی نظام پر اثر انداز ہوتا ہے۔ تاریخ۲؎ سے پتہ چلتا ہے کہ سلطان محمد شاہ کے وقت ہی سے یہاں کی معیشت درہم برہم ہو گئی تھی۔ کاشغریوں کے حملے کے نتیجے میں ۱۵۳۲ء کے خریف کی فصل تیار نہ ہو سکی۔ کیونکہ کسان اپنی جان کے لالے اِدھر اُدھر بھاگتے پھرتے تھے۔ ربیع کی فصل اس سے پہلے ہی جاگیرداروں کی اندرونی خانہ جنگیوں کے باعث لوٹ کھسوٹ اور تباہ کاری کی نذر ہو گئی تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ۱۵۳۳ء میں ایک زبردست قحط پڑا جس میں بے شمار لوگ دم توڑ گئے۔ اس پر ملک کی غیر یقینی صورتِ حال کے پیشِ نظر ہر جاگیردار کی یہی کوشش رہتی تھی کہ اپنی جاگیر سے جس قدر دولت

۱؎ اس وقت حبہ خاتون کی رسائی یوسف شاہ تک ہو گئی تھی اور وہ اُس کی مجالس سماع و سرود کی زینت بن گئی تھی

۲؎ افسوس ہے کہ ہماری کوئی 'عمرانی سیاسی' تاریخ نہیں ہے

سمیٹ سکے، سمیٹ لے۔ کچھ تو اس خیال سے کہ کل اس کے ہاتھ میں یہ جاگیر رہے نہ رہے اور کچھ اس لئے کہ اُسے اپنے اور اپنی فوج کے مصارف کسی نہ کسی طرح پورے کرنے تھے۔ صنعت و حرفت خاص کر شال بافی بالکل تخس نخس ہو چکی تھی اور اس سے وابستہ ہزاروں لوگ بے کار و بدحال در در کی بھیک مانگ رہے تھے۔ اسی میں ۱۵۷۶ء میں بے وقت کی برف باری سے ایک اور قیامت کا قحط پڑا جس نے تین سال تک گاؤں کے گاؤں ویران کر دئے۔ جس میں انسان انسان کا گوشت کھانے لگے۔ اس قحط میں آبادی کے تین حصوں میں سے دو حصے اجل کا لقمہ بن گئے اور باقی جو بچے ان کو کچھ ہی عرصہ بعد ایک اور شدید قحط سالی سے دوچار ہونا پڑا۔ اس کے اثرات اس قدر رُوح فرسا اور درد انگیز تھے کہ اکبر اعظم کو سب سے پہلے اس قحط کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک کروڑ دس لاکھ روپیہ کی رقم بطور امداد یہاں بھیجنا پڑی۔ کون کہہ سکتا ہے کہ حبہ خاتون کا یہ شعر اسی قحط کی طرف اشارہ نہ کرتا ہو —

اگر قدرت نہ دے اور قسمت یاوری نہ کرے
اس مٹھی بھر چاول پر کسی کا کیا گذارہ ہوتا ہو گا

اس سیاسی اور معاشی بحران کے نتیجے میں اُس وقت یہاں کے تمدنی معاشرت کی عمارت، جو کہ جماعتی زندگی اور مقصد و عمل کے اتحاد سے تعمیر ہوتی ہے، مسمار ہو رہی تھی۔ اور اس کی جگہ لا طائل انفرادیت اور نفسی نفسی کے رُجحانات پیدا ہو گئے تھے۔ کچھ لوگ حُسن کے مجرّد تصوّر کی

پرستش کرتے ہوئے کنجِ عزلت میں مست خیالی جنت کی ہوا باندھنے لگے۔ اور کچھ لوگ جسمانی لذتوں سے لطف اندوز ہو کر حقیقت کو خوش گوار خوابوں میں دیکھنے اور پیش کرنے لگے۔ موخر الذکر رومان کی دُنیا ہونے کے اعتبار سے حیاتِ انسانی اور اس کے حقائق کے بہت قریب ہوتی ہے۔ حبہ خاتون کی شاعری اسی رومان کا ایک حسین مجموعہ ہے۔

حبہ خاتون کا پہلے راستے کے بجائے اس دوسرے راستے ہی کو اختیار کرنا اُس کی ذاتی زندگی کا ایک بدیہی نتیجہ تھا۔ ہر انسان کے خیالات، جذبات اور مقاصدِ حیات کو جہاں وہ لوگ سانچے میں ڈھالتے ہیں جن میں اُس نے پرورش پائی ہو، وہاں وہ گرد و پیش بھی رنگ روپ دیتا ہے جس میں اس کی زندگی پروان چڑھی ہو۔ وہ تمام روایات جو کہ حبہ خاتون کی سوانح کے طور پر ہمارے سامنے آتی ہیں، اپنے تضاد اور تخالف کے باعث اس تجزیے کی صحیح بنیاد نہیں بن سکتیں۔ البتہ اُس کے اپنے اشعار کی اندرونی شہادت زیادہ مفید مطلب اور معتبر ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اُن سے ہم کسی ہچکچاہٹ کے بغیر نتائج اخذ کر سکتے ہیں۔ لیکن ایسا کرتے ہوئے بھی ہمیں صرف اُن ہی اشعار کو سامنے رکھنا ہوگا جن پر یہ اشتباہ نہ ہو کہ وہ اس کی تخلیق نہیں ہیں۔ ڈھونڈا —

میرے میکے والے وقت کے رؤسا میں سے تھے[1]
اسی لئے میرا نام حبہ خاتون مشہور ہوگیا

[1] اصل شعر میں لفظ ارباب آیا ہے۔ ارباب کشمیری زبان میں بہت بڑے خاندان یا وقت کے رئیس کو کہتے ہیں۔

میرے والدین نے مجھے کس لاڈ پیار سے پالا تھا
سینکڑوں آیائیں میری ناز برداری کرتی تھیں
میں نہ جانتی تھی کہ کبھی مجھے یہ بُرے دن بھی دیکھنے پڑیں گے
اے کاش کسی کا بچپن یوں گم نہ ہو جائے!

ان اشعار سے اتنا تو واضح ہوتا ہے کہ حبہ خاتون اپنے وقت کے جاگیردار طبقے کی نہ سہی، ایک صاحبِ ثروت گھرانے کی چشم و چراغ ضرور تھی جو کہ ادبار و فلاکت کی زد میں آگیا تھا۔ چناں چہ اس کے کلام میں خاندانی تفاخر، ماضی سے محبت، نیم خام مذہبی شعور اور مبہم سی انسان دوستی کی قبیل کے جو خیالات ہیں یہاں وہاں بکھرے ہوئے نظر آتے ہیں وہ ذہنی طور پر یہاں باپ سے ورثے میں ملے ہیں۔ "اے میرے پھولوں کے متوالے ساجن آ" ایسے گیتوں کی بنیاد پر یہ رائے قائم کرنا کہ اگر وہ کسی معمولی کسان گھرانے کی لڑکی نہ ہوتی تو ایسے خیالات کیوں کر نظم کرتی، محض ایک سطحی سی بات ہے۔ اس کے برعکس وہ جب بھی اپنے بچپن کا ذکر کرتی ہے جب ہی اپنے آپ کو ایک اونچے گھرانے کی لڑکی ظاہر کرتی ہے۔ اس میں شاعرانہ تعلّی بھی سہی، لیکن حقیقت سے دُور کی بات بھی نہیں ہو سکتی۔ کسانوں کے لوک گیتوں کے جو خیالات و عناصر اُس کے یہاں پائے جاتے ہیں وہ صرف اس وجہ سے ہیں کہ وہ جس سماج میں پیدا ہوئی تھی اُس میں مختلف طبقے ایک دوسرے میں اس طرح گھل مل گئے ہوئے ہیں کہ اُن کی ہیئتِ ترکیبی اور خصوصیات ٹھیک سے الگ نہیں

ہوسکتیں۔ وہ ایک دوسرے سے بہت کچھ لیتے اور ایک دوسرے کو وسیع پھیلنے پر متاثر کر دیتے ہیں۔

حبہ خاتون کا یہ خاندانی تفاخر بلا وجہ نہ تھا۔ وہ اس کے ذریعے ایک تو سالمنت شاہی سماج میں اپنی ساکھ اور احترام برقرار رکھنے کی متمنائی تھی اور دوسرے گردشِ دوراں اور اپنی حرماں نصیب زندگی سے بیزاری کا بھی اظہار کرتی تھی —

میرے والدین نے مجھے شہد و شکر میں پالا تھا
مجھے نہلایا بھی جاتا تو منوں دودھ سے
وہی میں ہوں اور آج کی یہ رہ نوردی
اے کاش کسی کا بچپن یوں گم نہ ہو جائے

اس حقیقت پر بھی غور کر لینا چاہیے کہ حبہ خاتون کے پیشِ نظر اُس وقت کی زوال پذیر جاگیرشاہی اور اس کی خون آشام خانہ جنگیاں تھیں جس کے باعث سماج کے تمام شعبے اور اُن کے ڈھانچے لرز رہے تھے۔ آئے دن کے جھگڑے اور مجلس مری کی سانحات اپنی پوری شدت کے ساتھ انسانی زندگی کی جڑیں دیں ہلا رہی تھیں۔ اس پر اُس کی نجی زندگی، تھوڑے عرصہ کی فراغت نصیبی سے قطع نظر کرکے، اُس کے بچپن کی شادکامی کے مقابلے میں پریشانی و حرماں کشی میں مبتلا تھی۔ ان حالات میں اس کے گیتوں میں داخلی اندازِ اظہار کے باوجود سارے گرد و پیش کے دکھ درد اور تمنا و طلب کا اثر پیدا ہونا لازمی تھا۔ چناں چہ محبوب کی

ناراضگی و بے وفائی، سوکن کی مکاری و رقابت، ازل کے لکھے ہوئے کے سامنے اظہارِ مجبوری و بے بسی، حسرت و یاس کے امتزاجی جذبات ان ہی سماجی سانحات کے مجموعی اثرات کے کوائف و مظاہر ہیں —

اُس نے یہ کس خطا پر دراتی سے میرے جگر کے ٹکڑے کر دئے
کوئی اُس سے کہدو کیا یہی شرطِ وفاداری ہے
میں مر گئی تو میرے لئے دُنیا بھر کی خاک چھانتے پھروگے
اے میرے محبوب، میں تیرے لئے پھولوں کا گجرا بناؤں گی!

یہاں تو سب ہی عاشق ہونے کا دم بھرتے ہیں — لیکن بتا تو سہی کون ہے جو قسمت کے لکھے ہوئے کو بدلنے کی قوت رکھتا ہے۔ اے سہیلی

اے سہیلی، میری جو حالت ہوئی ہے اُس پر نہ ہنس
دیکھ، یہ میرا جسم کس قدر نحیف و نزار ہو گیا ہے!
اگر وہ اب بھی واپس نہ آئے تو میں کہیں کی نہ رہوں گی
یہ گوشت و پوست اُتر کر صرف ہڈیوں کا پنجرہ باقی رہے گا

تجھے میری کون سی سوکن بہکا کر مجھ سے چھین لے گئی
تجھے مجھ سے نفرت کیوں ہو گئی، اے میرے محبوب!

ان گیتوں میں ذاتی وارداتِ قلب اور جذباتِ محبت کا بیان استعارات و کنایات میں آنے کی وجہ سے شدید قسم کی داخلیت پیدا ہوئی ہے۔ لیکن ذرا سی ژرف نگاہی سے ان میں خارجی زندگی کے نقوش آنکے جا سکتے ہیں۔

یہ تو ایک جملۂ معترضہ تھا۔ کہنا یہ ہے کہ بچپن کی آسودہ حال زندگی کے بعد حبہ خاتون کی شادی کسی جگہ ہوئی تھی جو کہ ناکام ثابت ہوئی۔ اس ناکامی کی وجوہات چاہے کچھ بھی ہوں، لیکن اس شادی کا ذکر اور اپنی سسرال کے ساتھ اُس کی اَن بن، یہاں تک کہ یہ شادی اُس کے خلافِ منشا ہونے کے اشارات تک اس کے اشعار میں نمایاں طور پر ملتے ہیں

حبہ خاتون کے اس اشارے کو سمجھو ' اے بیدار دل میکے والو
میری سسرال والوں سے بن نہیں جاتی ' میری چارہ سازی
کرو ' میرے میکے والو

ایک دن کسی نے مجھے دور سے دیکھا
راہ گیر بن کر وہ میرے پیچھے پیچھے چلا آیا
میں گھر میں داخل ہوئی، لیکن بہانہ بنا کر اُس کے دیکھنے کو پھر نکلی
افسوس کہ میں کسی اور ہی جگہ بیاہی گئی!

بچپن کی آسودگی اور شادی کی اس ناکامی کے احساس نے جذباتی طور پر اُس کو اطمینان و راحت اور لذت و مسرت کے سہانے خواب

دیکھنے کی طرف راغب کیا۔ اس پر واقعات کے کوئی بھی شکل اختیار کرنے کے نتیجے میں جب وہ یوسف شاہ چک سے وابستہ ہوئی تو عشق و محبت کی ارضی جولانیوں نے اُس پر رومان کی ایک وسیع شاہراہ کھول دی۔ یہاں میں تھوڑا سا تاریخی سہارا لینے کی پھر ضرورت محسوس کرتا ہوں۔ وہ لکھتا ——

"یوسف شاہ چک اُس دل کو روشن کرنے والی اور مسرت کی سرمایہ (حبہ خاتون) کی صحبت میں رات دن مرغزاروں، گلزاروں، پسندیدہ جگہوں اور دلکش نظاروں میں بسر اوقات کرنے لگا۔ خصوصیت کے ساتھ گلمرگ، سونمرگ، اہربل اور اچھہ بل کے پُر فضا مقامات میں دادِ عشرت دیا کرتا۔ اسی بات کے پیشِ نظر لوگوں کی زبان پر "عیشِ یوسف شاہی" مشہور ہے۔"

(تاریخ حسن کھویہامی۔ فارسی سے ترجمہ)

رات دن کی یہ بے پناہ عیش کوشی اور عشق کی یہ بے انتہا خلش حبہ خاتون کی شخصیت پر کوئی جھوٹا خول چڑھانے کی اجازت نہیں دے سکتی تھی۔ کیونکہ جن لوگوں کے لئے وہ ایسا کرتی ان کے سامنے اُسکی زندگی بالکل عیاں تھی۔ اسی چیز نے اُس پر تصنع کا راستہ بند کر دیا اور اُس کی شخصیت میں ایک گیرندہ صداقت پیدا ہو گئی۔ یہ صداقت اپنے ساتھ اظہار میں خلوص، آواز میں گداز اور فن میں دلکشی لے آئی۔

ایک مدت تک یہ جذباتی زندگی بسر کرنے کے بعد اُس کے یہاں ایک زبردست ٹھہراؤ آگیا۔ یہ ٹھہراؤ سیاسی حالات کے پلٹا کھانے کا نتیجہ تھا، کیونکہ یوسف شاہ گرفتار ہو کر بنگال میں نظر بند ہو گیا۔ ساری بساطِ عیش اُلٹ گئی اور حبہ خاتون انتہائی مایوسی و بے چارگی کے عالم میں بے یار و مددگار ہوش رُبا فلاکت کی زندگی بسر کرنے لگی۔ اس کا اثر اُس کے گیتوں میں حُزنیت کی شکل میں نمودار ہونے لگا۔

جب میری دکان مال و متاع سے بھری ہوئی تھی
دُنیا بھر کے گاہک میری طرف دوڑے آتے تھے
جب وہ متاع نہ رہی تو میری قدر بھی جاتی رہی
دن ڈھلتے ہی وہ مجھ سے چھوٹ کر چلا گیا

انتظار کی محرومی، جستجو کی ناکامی اور تنہائی کی وحشت ناکی نے اُسے رومان کے مرغزاروں سے اُٹھا کر تصوف کے پُرپیچ اور خار آلود راستے پر ڈال دیا۔ لیکن اس راہ کی مسافر نہ ہونے کی وجہ سے اور ایک عرصہ تک جذباتی زندگی بسر کرنے کے باعث اس میں وہ فلسفیانہ گہرائی پیدا نہ ہو سکی۔ جو کہ للہ ایشوری اور شیخ نورالدین ریشی ایسے متصوفین کے یہاں ملتی ہے۔ البتہ موت، فنا، پیری اور اس قبیل کے دوسرے نوحے ضرور اُبھر آئے۔

اپنی کلائیوں میں سونے کے کنگن نہ پہن
یہ دُنیا محض ایک حسین فریب ہے

مرنے سے پہلے ہی یہ پھر سے خالی ہو جائیں گی
دن ڈھلتے ہی وہ مجھ سے چھوٹ گیا
لوہار کے ہتھوڑے کی ضرب سے نکلا تو ہوا ہے
تو بھی ذرا اپنے آپ کو پرکھ کر دیکھ
جس نے اس کو نہیں پرکھا وہ بالآخر پچھتائے گا
دن ڈھلتے ہی وہ مجھ سے چھوٹ گیا

تو یہ دُنیا بھر کی دولت کہاں لادے پھرتا ہے
کل خالی ہاتھ تجھے قبر میں لٹایا جائے گا
اے میری جوانی تو ٹھنڈا ہونے میں کیوں نہیں آتی
تجھے میری موت سے کیا ملے گا اے میرے محبوب؟

صوفی موت کو "لا" کے دریا میں نہاں موتی ہے "اِلّا اللہ" کا۔ کے عقل و استدلال کے رشتے میں منسلک کر کے عین زندگی سمجھتا ہے اور اس پر ہر وقت راضی برضا رہتا ہے۔ لیکن ان اشعار میں موت کا اظہار رَم و لرزہ کے آہنگ کے ساتھ ہوا ہے جو کہ وجدانی طبیعت اور جذباتی اندازِ فکر کی لازمی خصوصیت ہے۔

حبہ خاتون کے یہاں، ایک آدھ مثال کو چھوڑ کر، طلبِ وصال کے بجائے اکثر و بیشتر درد و مہجوری کے پُرسوز نغمے ملتے ہیں۔ اس سے جہاں آواز میں کسی اُتار چڑھاؤ کی عدم موجودگی کے باعث ایک جیسی اُکتا دینے

والی فضا عود کرتی ہے اور شاعری کا دامن تنگ ہو جاتا ہے وہاں اس قسم کی آوازِ عشق اپنی پاکیزگی اور لطافت میں بے مثل ہوتی ہے۔ اسی دردِ مہجوری کا فیضان ہے کہ اس میں ایک جذباتی ہیجان پیدا ہوا جس نے اس کے انداز و اسلوب کو ندرت و جدت بخشی، جو کہ اس کی شاعری کا طرۂ امتیاز ہے اور جس کی صدائے بازگشت بعد کے تمام رومانی شعرا کے یہاں سننے میں آتی ہے۔ بلکہ میں تو یہاں تک کہوں گا کہ آج تک کے کم و بیش تمام شعرا نے اس اسلوب کی اثر آفرینی کو دیکھ کر محض تقلید کے لئے اس کی پیروی کی۔[1]

شاید یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ حبہ خاتون کے دل میں جس عشق کی تڑپ تھی، جو اسے فراق کے پُر سوز نغمے گانے پر اکساتا تھا وہ ایک ایسے پیچیدہ مقام پر پہنچ چکا تھا جہاں اس کی تسکین کسی طرح ہونی ناممکن تھی۔ یہی وجہ ہے کہ شاہی مصاحبت کے اطمینان بخش ایام کا کوئی بھی ایسا گیت اس کا نہیں ملتا جس میں اس دردِ مہجوری کی کسک موجود نہ ہو۔ اس چیز کو اگر حبہ خاتون کی تحلیل نفسی کے زاویے سے دیکھا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ بچپن سے لے کر شاہی کاشانۂ طرب میں قدم رکھنے تک حبہ خاتون جس ذہنی پراگندگی اور الجھن کی شکار رہی وہ اس کی اتنی خوگر ہو چکی تھی (چاہے یہ زمانہ کتنا ہی مختصر کیوں نہ رہا ہو) کہ کسی بھی قسم کی ظاہری آسائش اس کے دل کی ہیجانی کیفیت کی چارہ سازی

[1] موجودہ کشمیری غزل میں فکر و احساس کا نیا پن آنے لگا ہے

نہیں کر پائی تھی۔ یوسف شاہ کی داد و دہش، قدر دانی اور دولت و ثروت کے باوجود اس کی یہ فطرتِ ثانی ذہنی آسودگی میں تبدیل نہ ہو سکی۔ اس کی حیثیت جذبات میں، اس کے طرزِ فکر میں اور اس کے طریقِ اظہار میں جو مخصوص نظم و ترتیب پیدا ہو چکی تھی اسے پھر سے انتشار دے کر ایک نئی تعمیر کے سانچے میں ڈھالنا انسانی بس کی بات نہیں تھی خصوصاً جب کہ گرد و پیش کے عام حالات متوازن ہونے کے بجائے ہنگامہ و فساد کی زیادہ بھیانک صورت اختیار کر رہے تھے۔

حبہ خاتون کے اشعار میں محبت کے بے پناہ جذبے کا اظہار جس انداز سے ہوا ہے وہ اس قدر جہانگیر اور وسیع ہے اور اس میں آفاقی خد و خال سمٹ آئے ہیں جو کہ ادب اور احساسِ حسن کو ایک کر کے ابدی بنا دیتے ہیں اور جس کی تازگی زمانے کی تبدیلی اور حالات کے ادل بدل پر بھی سالم و ثابت رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی جب کہ زمانہ کہاں سے کہاں جا پہنچا ہے۔ جب کہ گرد و پیش کی فضا کی کیفیتیں بدل گئی ہیں، جب کہ پیداواری رشتوں میں بھی کافی تبدیلیاں آگئی ہیں، یہ اشعار ہمیں متحرک کرتے، ہمیں سکون پہنچاتے اور ہم سے اپنا احترام کروا لیتے ہیں۔ اس کے ان آفاقی رجحانات کے آئینے میں ہم اس کی ذہنی رغبتوں اور امنگوں کی تصویر بھی دیکھ سکتے ہیں۔ وہ سراپا محبت تھی اور محبت ہی کی طلب گار رہی۔ اس کے نزدیک اس محبت کا درجہ ارضی ہو کر بھی بہت کچھ بلند رہا ہے جس کا اظہار اس کے اشعار میں جا بجا مل سکتا ہے۔

میں نے ایک ہی نشست میں تمام قرآنِ پاک پڑھ ڈالا
کسی بھی جگہ ذرہ بھر بھی زیر و زبر کی غلطی نہ کی
لیکن عشق کی کتاب کوئی بھی ایک آن میں نہ پڑھ سکا
تجھے میری موت سے کیا ملے گا، اے میرے محبوب؟

حبہ خاتون کے عشق و محبت اور رومان بھرے گیتوں کی خوبی، ان کا سوز و گداز، جذباتی لب و لہجہ، صوتی اور لفظی ترنم، ہلکے پھلکے اور عام فہم خیالات اور وہ نسوانی آہنگ ہے جس کو محسوس تو کیا جا سکتا ہے لیکن بیان کرنا مشکل ہے۔ ایک ایسے وقت میں جب کہ فارسی زبان کے اقتدار کی وجہ سے کشمیر کے تمام شاعر اپنی مادری زبان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھتے تھے بلکہ اس میں طبع آزمائی کرنا کسرِ شان سمجھتے تھے، حبہ خاتون کے یہ گیت جہاں کشمیری زبان کی زندگی کے ضامن بن گئے وہاں عام لوگوں خاص کر عورتوں میں مقبول ہو کر اُن کے دلوں کو غم و دوراں برداشت کرنے کی قوت بھی بخشتے رہے۔

منتخب کلام

شعر سوز و گداز، جذبہ و تاثیر اور ترنم و شگفتگی سے عبارت ہے اور ترجمے کے ذریعہ ان چیزوں کی ترسیل ممکن نہیں۔ حبہ خاتون کے یہ گیت محبت کی ماری ایک عورت کے معصوم پُر درد اور حسینہ جذبات ہیں جن کا بوجھ ترجمے سے سہا نہیں جا سکتا۔ میں کوشش کروں گا کہ جہاں ممکن ہو جائے، چاہے اس کے لئے مجھے لفظی ترجمے سے قدرے انحراف بھی کرنا پڑے، لیکن اتنا نہیں کہ اصل سے دور جا پڑے یا کوئی نئی بات پیدا ہو جائے۔

دلو میانہ پوشے مدنو

دل نتھ زُ نُغم گوشے
دلو میانہ پوشے مدنو

ولدو نیسو گڑھوے ہی یے　لیس مرشہ گرتی یے
پرادان مجیس چیانہ زری یے　دلو میانہ پوشے مدنو
ولدو نیسو گڑھوے ہندے　لاتو نیاسے کر اُزدے
گُنمتو کُرانس اُزدے　دلو میانہ پوشے مدنو
ولدو نیسو گڑھوے ہرے　جھک سے اسے مُرغِ ہرے
کاڑھا وشو زُمرِ نِ شہرے　دلو میانہ پوشے مدنو
ولدو نیسو گڑھوے گرُشے　گُنمتو مجنس زرشے
ہمن تے مُیوان ہیو گڑھے　دلو میانہ پوشے مدنو

"اے میرے پھولوں کے متوالے ساجن آ"

مجھ سے میرے دل کو چھین کر کہاں چھپے
اے میرے پھولوں کے متوالے ساجن آ

آ اے سہیلی، جوہی کے پھول توڑیں۔ مر گئے تو یہ زندگی کہاں نصیب ہوگی
میں تو اس کی آسودہ حالی کی تمنائی ہوں۔ اے میرے پھولوں کے متوالے ساجن آ
آ اے سہیلی "سلاد" کا ساگ چننے جائیں۔ قسمت کا یہ پھیر اب کون سمجھ پائے گا
مجھے تو جگ ہنسائی نے کہیں کا نہ رکھا۔ اے میرے پھولوں کے متوالے ساجن آ
آ اے سہیلی ریحان کے گچھے لانے جائیں۔ اس نے میرے جگر کو کلہاڑی سے گھائل کیا
پھر کسی کو میری عیادت تک کے لئے بھی نہ بھیجا۔ اے میرے پھولوں کے متوالے ساجن آ
آ اے سہیلی کرڑھ کے پتے اکٹھا کرنے جائیں۔ تا کہ جو لوگ میرا مذاق اڑانے لگے ہیں
ان پر بھی ایسی آفت آئے تو پتہ چل جائے۔ اے میرے پھولوں کے متوالے ساجن آ

ولہ ڈنیسو گڑھوے وَن تے ٹوکو بُری ہَس کُن تے
تی بُوز تمو سادَن تے ولو میناڑ پوشے مَدُو
ولہ ڈنیسو ڈیہہ وَے بون تے کنہ کوئی دیہہ سون تے
سون میون دوران گہرن تے ولو میناڑ پوشے مَدُو
ولہ ڈنیسو گڑھوے ابس دُنیا جھڑ ہندرہ تہ خابس
پرار اس چھینیو جوابس ولو میناڑ پوشے مَدُو
ولہ از ڈی تراو میناں نی چھم منہ کامن چیانی
آخر جھڑ دُنیا فانی ولو میناڑ پوشے مدو

آ اے سہیلی جنگل سے لکڑی کاٹ کر لائیں۔ اُسے لوگوں نے نہ جانے میرا کیا کیا سُنایا
اُس نادان نے اُن کی باتوں پر کان دھر لیا۔ اے میرے پھولوں کے متوالے ساجن آ
آ اے سہیلی پہاڑ کی ترائی کی اور اُتریں۔ میں اپنے کانوں کا سونا اُس پر نچھاور کروں
میرا یہ سونا پُرسے دو اشرفیوں کی قیمت کا ہے۔ اے میرے پھولوں کے متوالے ساجن آ
آ اے سہیلی پنگھٹ پر پانی بھرنے جائیں۔ دیکھ کر دُنیا نیند اور سپنوں میں کھو گئی ہے
میں اُس کی ایک پکار کی منتظر ہوں —— اے میرے پھولوں کے متوالے ساجن آ
اے محبوب مجھ سے یہ نفرت کرنا چھوڑ۔ میرے دل میں بس ایک تیری ہی محبت ہے
آخر اس دُنیا کو چھوڑ کے جانا ہے۔ اے میرے پھولوں کے متوالے ساجن آ

چھڑے بالے تتا

تھو وتُم زُمہ رُے

چھڑے بالے تتا

دو سر ینیٹو وچھوُ تے — تو سر پوپیر گُمن ڈے
غوصہ کیاہ روڈُو تے — چھڑے بالے تتا
بزرہ کنو وچھوُ تے — گھرہ کو بودُو تے
زرہ زرہ تھوُ تے — چھڑے بالے تتا
دارہ کنو وچھوُ تے — کارہ دوگو دَر دَاذ
تارہ دل کورُ تے — چھڑے بالے تتا
دوگرہ ینیٹو وچھوُ تے — شوگرہ لاگتھ بُو نغم
روگرہ روگرہ گوم گے — چھڑے بالے تتا

میں دُکھیاری اُس کی تمنائی ہوں!

اُس نے میری رگ رگ میں عشق کی تڑپ پیدا کی

میں دُکھیاری اُس کی تمنائی ہوں

اُس نے دیوار پر سے مجھے آنکا — میں اس کے سر پر بڑھیا دستار باندھ لوں
(پھر) نہ جانے وہ مجھ سے روٹھ کیوں گیا! میں دُکھیاری اُس کی تمنائی ہوں
اُس نے میرے دروازے سے مجھے آنکا۔ نہ جانے اُسے میرے گھر کا پتہ کس نے بتایا!
(پھر) وہ مجھے اس قدر تڑپا کے کیوں چلا گیا! میں دُکھیاری اُس کی تمنائی ہوں
اُس نے میری کھڑکی سے مجھے آنکا۔ وہی جو میرے کانوں کا جھومر ایسا حسین ہے
اُس نے میرے دل کو اضطراب میں ڈال دیا۔ میں دُکھیاری اُس کی تمنائی ہوں
اُس نے چھت کی روزن سے مجھے آنکا! پرندے کی سی آواز دے کر مجھے متوجہ کر دیا
(پھر) دبے پاؤں وہ مجھ سے کہیں گم ہو گیا۔ میں دُکھیاری اُس کی تمنائی ہوں

اُس نے پنگھٹ پہ مجھے آ لیا　　　مجھ سرخ گلاب کو مُرجھا کے رکھ دیا!

میرا تن بدن عشق کی آگ سے جلا ڈالا۔ میں دُکھیا ری اُس کی تمنائی ہوں

اُس نے پچھلے پہر کی چاندنی میں مجھے آ لیا۔ وارفتہ ہو کر وہ میری دُھن میں لگا رہا

وہ اتنی پست سطح پہ کیوں اُتر آیا؟ میں دُکھیا ری اُس کی تمنائی ہوں

یارہ بیہ دُو چھوٹے　　　یارہ گُرنس آپرہ دل
نارہ پان زو گئے　　　چھڑے بالے تنا
پرت ژُو دِز دُو چھوٹے　　　مُونت اگُھڈ کوت اَم
زت کوہ دُو گُرٹے　　　چھڑے بالے تنا

کانسہ ماراُون شُورے پان

ٹُو نار چھسم لِڑودون مُورے
کانسہ ماراُون شُورے پان

ماما مِہ رُچھنس قندہ کستُورے
دودھ اُسم تَبہ ناوال
شُوی پان لوگ مارہ مُشا فُورے

کانسہ ماراُون شُورے پان

ماما مِہ رُچھنس مول کیاہ وُورے
ساسہ بِتہ زوتُرو زِہ آسم شُلہ وان
میٔنہ نوزانیو نودمُت نُورے

کسی کا بچپن یُوں گم نہ ہو جائے

میرا تن بدن بھسم کرنے والی آگ میں تپ رہا ہے
اے کاش کسی کا بچپن یُوں گم نہ ہو جائے

میرے والدین نے مجھے شہد و شکر میں پالا تھا
مجھے نہلایا بھی جاتا تو منوں دُودھ سے !
وہی میں ہوں اور آج کی یہ رہ نوردی

اے کاش کسی کا بچپن یُوں گم نہ ہو جائے

میرے والدین نے مجھے کس لاڈ پیار سے پالا تھا
سینکڑوں آیائیں میری ناز برداری کرتی تھیں !
میں نہ جانتی تھی کہ مجھے یہ بُرے دن بھی دیکھنے پڑیں گے

کانِ مارآون شوڑے پان

ماما مچہ ترآونس ستقس ڈودرے
اوخنن ونولتم موڑے پان
حارہ رِوسو تگرتم نارہ تمبوڑے

کانِ مارآون شوڑے پان

ماما مچہ بیرشالیس یلہ ڈودرے
چتر چتو ورایم ولبہ ونہ وان
ہول گوم اندری ولہ تاکوڑے

کانِ مارآون شوڑے پان

ماما مچہ وونتم ڈیکہ بڈی کوڑے
واریو اسکنبہ چھی پزاران
رنگہ ڈولہ اسسم رلہ پکوندوڑے

کانِ مارآون شوڑے پان

مچھیے یترتے زہ چھم ڈودرے
دو شوڑے ورایے جانی جان
میہہ تو زانیو نودمت لوڑے

اے کاش کسی کا بچپن یوں گم نہ ہو جائے

میرے والدین نے مجھے بہت دور تعلیم پانے کے لئے بھیجا
مُلا (اُستاد) نے میری مار کٹائی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی
بے رحم نے میری ہڈی پسلی ایک کر کے رکھ دی

اے کاش کسی کا بچپن یوں گم نہ ہو جائے

میرے والدین نے جب میری شادی کہیں دور کر دی
سہیلیاں مجھے سہاگ گھوڑیاں گاتی رہیں
میں محبت کی ماری دل ہی دل میں نوحہ سرا تھی

اے کاش کسی کا بچپن یوں گم نہ ہو جائے

میرے والدین نے مجھے کہا "اے قسمت والی بیٹی
اُٹھ کر تیری سسرال والے آنگن میں تیرے منتظر ہیں
میری رنگیں ڈولی کے بانسوں پر چاندی کے خول چڑھے تھے

اے کاش کسی کا بچپن یوں گم نہ ہو جائے

میں یہاں ہوں اور تو مجھ سے بہت دور
ہم دونوں ایک دوسرے کے کتنے شیدائی تھے
کسے معلوم تھا کہ یہ جی جانی عمارت ڈھ جائے گی

کاشنہ ما راوړون شوړے پان

دے نے ویے تے ډیګنے پوړے
دے مرزا سینا کاشنہ پشان
مو ے چیچ خبر خو توخہ وژرہ ووړے

کاشنہ ما راوړون شوړے پان

اے کاش کسی کا بچپن یوں گم نہ ہو جائے

اگر خدا نہ دے اور قسمت شامل حال نہ ہو
اس مٹھی بھر چاول سے کسی کا کیا گزارہ ہوتا ہوگا
جب خاتون نے شراب عشق کے جام لنڈھائے

اے کاش کسی کا بچپن یوں گم نہ ہو جائے!

لالو کلہ آلہ وے

آلو چیناڑہ بُر دو بگو

لالو کلہ آلہ وے

کھتیو دہ دہ بھتہ بیرا لو
چتیو پیناڑہ پیا پے
کرہ یو آرہ وُلن مالو

لالو کلہ آلہ وے

دہ دہ بُر رہ پہ تغے ملو
میٹھہ چیاڑ ڈل گنے یم
ژندن داڑہ بُر تن چھلو

لالو کلہ آلہ وے

آ میں تجھ پر سر قربان کروں

تیری ایک پکار میرے دُکھ درد کی دوا ہے

اے محبوب آ ، میں اپنا سر تجھ پر قربان کروں

* دودھ اور کدو سے بنی ہوئی لذیذ نعمت تھا

اور پھر جام پر جام چڑھائے جا

میں تیرے لئے گلِ سُرخ کی مالا بناؤں گی

اے محبوب آ ، میں اپنا سر تجھ پر قربان کروں!

میں اپنا پیسیں جلن (کیوں ؟) دودھ میں نہلاؤں گی

مجھے تیری محبت بھری یاد آنے لگی

میں صندل کا پانی اپنے آپ پر چھڑکوں گی

اے محبوب آ ، میں اپنا سر تجھ پر قربان کروں

بالس ژُون ژھس ژھلہٕ
زنیہ کتہٕ زِ دٕ لگُژھ چھے
برونٹھ زا ژھس تہٕ چھوٚ ڈلہٕ

لالو کلہٕ آلہٕ وٚے

طوطس ییوٚر زاگاں ژھلہٕ
نیہ تس پان پُشرِمے
موتس رٕشہ کتھوٚ ژٕلہٕ

لالو کلہٕ آلہٕ وٚے

خوف ہیتھ گرہ کتوٚ دزاکھ
خوفتن کوٚتہٕ گذاریوتھ
عنبر خوتنہٕ وٕنی بالہٕ[1]

لالو کلہٕ آلہٕ وٚے

[1] یہ لفظ توزمہٕ ہکرہ کیاہ گو۔ کینہ چھ ونان "بکہٕ" تہٕ کینہہ "بالہٕ" گیژان

میں پہاڑ کی اوٹ میں غروب ہونے والے چاند کے مانند ہوں
نہ جانے تیری آنکھ کہاں لگ گئی (کہ اب بھی نہیں آتے)
میں چند لمحوں کی مہمان ہوں، پھر ہمیشہ کے لیے چھپ جاؤں گی

اے محبوب آ، میں اپنا سر تجھ پر قربان کروں

بلی (ہر حال میں) پرندے کی تاک میں لگی رہتی ہے
میں نے اپنا آپ اُس (خدا) کے حوالے کر دیا
موت سے کوئی بچ کر کہاں جا سکتا ہے

اے محبوب آ، میں اپنا سر تجھ پر قربان کروں

تو خوف کے مارے گھر سے باہر کیوں نکلا تھا
رات وہیں کیوں نہ بسر کی؟
جب خاتون نے "اشارے[1]" میں یہ بات کہی

اے محبوب آ، میں اپنا سر تجھ پر قربان کروں

[1] یہاں جو کشمیری لفظ ہے اُس کا صحیح مفہوم سمجھ میں نہیں آتا ہے

لدیو دأن پوش تہٕ ہی

ژٕ نہٕ ردوس وین کینہہ بجریہ مَدٕ نو

مَدٕ نو لدیو دأن پوشس تہٕ ہی

ژھاران ووُس کہٕ پَنٕ نی ورزہ نو
ڈیڈوس ژٕ نہٕ کمو پَرٕ زٕ سے پجے
ہیرٕ موہار چھمَے یینہٕ چیناگی لادٕ نو

مَدٕ نو لدیو دأن پوشس تہٕ ہی

ہانژہ کہٕ دراونژہ ہیتو کرٕ تمٕ بدٕ نو
ڈیڈوس بال یلہٕ راوے بو
اسمان تہٕ زمین واتکھ آدہ نو

مَدٕ نو لدیو دأن پوشس تہٕ ہی

پھولوں کا گجرا

تیرے بغیر یہ دن کیسے گزاروں اے محبوب!

اے میرے محبوب! میں تیرے لئے پھولوں کا گجرا[۱] بناؤں گی

میں جنگل جنگل اُس کی تلاش کرتے کرتے تھک گئی

اُسے کہہ دو کہ تُو کن پرائی عورتوں کے ساتھ سرمست ہے

اگر مجھ دُکھیاری کو تیری محبت و انتظار ہے

اے میرے محبوب! میں تیرے لئے پھولوں کا گجرا بناؤں گی

اُس نے کس خطا پہ ذرا تی سے میرے جگر کے ٹکڑے کر دئے

اُسے کہہ دو کہ جب میں موت سے ہم آغوش ہو جاؤں گی

پھر میرے لئے دُنیا بھر کی خاک چھانتے پھروگے

اے میرے محبوب! میں تیرے لئے پھولوں کا گجرا بناؤں گی

[۱] کشمیری شعر میں آباد اور مجوری کے پھولوں کا گجرا ہے جس کو ترجمے میں میں نے صرف "پھولوں کا گجرا" رکھ دیا

عنیہ چیم ءِ پیران، ڈو تھیم مدّو
ڈِپی توس ڑو ڑس ءِ آدائی
چنہ خو تو ءِ چیم ڈو ڈس ژ عنید تو
مدّو لدیو داں پوشِش تہ ہی

وہ اپنی خود آرائی میں مست، مجھ سے بے خبر ہے
آ اے کہسار، کیا یہی شرطِ وفا ہے ؟
جب خاتون کے آنسو تھمنے میں نہیں آتے
اے میرے محبوب، میں تیرے سامنے پھولوں کا گجرا بناؤں گی

چھاو میاڑی دائے پوش

میتہ کروہ ڑی کنیتھ پوشہ دسوائے

چھاو میاڑی دائے پوش

ہر چھے زمین نا ڑہ چھک اسمانے

ہیرس ڑہ چھک سرہ پوش

ہر چھے نعمت ڑہ چھک اسمانے

چھاو میاڑی دائے پوش

آئے گرد منزا ڑہ ونگ زاجانے

بائے ڑہ دس نہ ہوش

ڑہ چھیم شمع ہر جس پروانے

چھاو میاڑی دائے پوش

میرے پھولوں سے لابھ اٹھا!

میں نے تیرے لئے پھولوں کے دستے بنائے

میرے پھولوں سے لابھ اٹھا!

میں تیری دھرتی ہوں اور تو میرا آکاش ہے

تو میرے بھیدوں (کی ہانڈی) کا ڈھکن ہے

میں تیری لذیذ نعمت ہوں اور تو میرا عزیز جہاں

میرے پھولوں سے لابھ اٹھا!

لیلا نے اندھیرے میں دیا جلایا تھا

بے چاری پوشش (زندگی) سے ہاتھ دھو بیٹھی

تو میری شمع ہے اور میں تیرا پروانہ ہوں

میرے پھولوں سے لابھ اٹھا!

زرِھ زرِھ رتیہ کول چھم سوانے
برِ ماگرِھن آچھِ پوشس
گرِ جنہ بلبلہ پترِ اکہ آنے

چھاو میانۍ ژُ وانے پوشس

بہتے زر چھس سوزہ وایانے
ولِنی تھووتھ تم نہ ہوشس
کم کیاہ گوہ یو یمہ نیایہ وانے

چھاو میانۍ ژُ وانے پوشس

رنگہ رنگہ تھرہ ووُ کرِن پانے
ریوُن ریوُن کوز نکھ نقوشس
کینہہ ورزاپہ چُھ کینہہ جانانے

چھاو میانۍ ژُ وانے پوشس

زارِ لۅ اُدوے چھمہ میانے
جانانہ میہنہ مو روشس
حبہ خوتونہ زُ دوم ارمانے

چھاو میانۍ ژُ وانے پوشس

(جوانی کی) بہار دھیرے دھیرے گزر رہی ہے
کہیں یہ چمپا کے پھول مرجھا نہ جائیں
اے میری بلبل کسی بہانے گھڑی بھر کے لیے آ

میرے پھولوں سے لابھ اُٹھا!

میں بڑے چاؤ سے ساز چھیڑتی ہوں
لیکن تُو نے کبھی یہ میرے نالے نہ سُنے
تُو نے میرے یہاں کس چیز کی کمی پائی!

میرے پھولوں سے لابھ اُٹھا!

اس کمہار (خدا) نے طرح طرح کے برتن بنائے
ہر ایک پر جُدا جُدا نقاشی کی!
کچھ تو اچھے بنے اور کچھ ٹیڑھے میڑھے

میرے پھولوں سے لابھ اُٹھا!

میں نے تیرے لیے بڑی تلاش کے بعد
اے میرے محبوب مجھ سے نہ روٹھ!
حبہ خاتون کے دل میں تیری تڑپ ہے

میرے پھولوں سے لابھ اُٹھا!

زړیه کیهو گیی میاڼي دي

زړه کیهو سو زمیانه زړه تیم دیتو پیو گھو
زړیه کیهو گیی میاڼي دي

زړگھ زړاو دي کلاله وده زړه چھوی نا ایوان
زړیه کیهو گیی میاڼي دي

زیبیف رائن بر دیتو زړاو میو
ساتھا پھنا زړي
پیره چھنه کیهه تره پیره چھک پاوان
زړیه کیهو گیی میاڼي دي

مجھ سے یہ نفرت کیوں؟

تجھے میری کون سی سوکن نے فریب دے کر اپنایا
مجھ سے یہ نفرت کیوں، اے محبوب!

کیا تیرا دل یہ غصہ و نفرت چھوڑنا پسند نہیں کرتا
مجھ سے یہ نفرت کیوں، اے محبوب!

آدھی رات کو میں نے تیرے لئے دروازہ کھلا چھوڑا
(اے کاش) تو ایک ہی لمحے کے لئے آجاتا!
ہم دونوں ایک ہیں، لیکن تو ہے کہ دُوئی پیدا کرتا ہے
مجھ سے یہ نفرت کیوں، اے محبوب!

مَدَن وارو بَدَن زرو گھسم
گوشتہ مَن مینہہ آدن ژڑی
بادم چشمو خون چھپیا باران

ژنہہ کنہو گیں میاڑ ڈی

شزاوی شتین زن بہ گلان آئیں
باٹس نچو جس بو ہی
چنیوڑی باغ تے ژڑی ڈرو چھادان

ژنہہ کنہو گیں میاڑ ڈی

زرحاہ چھم نا ایوان موہ چھک والان
غنم چھم دا رنجر سوئی
زنہ چھک درو مت سینہ شیلاوان

ژنہہ کنہو گیں میاڑ ڈی

تن چھس ناوان جامہ چھس پاگران
باران چھپیا چیاڑ وڑی
نینس پاس گرانہ چھک ماران

ژنہہ کنہو گیں میاڑ ڈی

اے میرے محبوب تو نے مجھے بھسم کر کے رکھ دیا
مجھے صرف ایک تو ہی چاہیئے
میں تیرے لئے بادام جیسی آنکھوں سے خون رو رہی ہوں

مجھ سے یہ نفرت کیوں، اے محبوب!

میں (تیری جدائی میں) ساون کی برف کے مانند پگھل گئی
میں باغ میں موتیے کے پھول کی مانند کھلی ہوں
اگر یہ باغ تیرا ہے اور تو ہی اس سے لابھ اٹھا

مجھ سے یہ نفرت کیوں، اے محبوب!

مجھے تیرے بغیر نیند نہیں آتی، لیکن تو اس سے بے پرواہ ہے
اس بات سے میرے دل کو بہت بڑا دکھ ہے
کبھی اس جلتی ہوئی چھاتی کو ٹھنڈک تو پہنچا

مجھ سے یہ نفرت کیوں، اے محبوب!

میں تیرے لئے نہا دھو کر سولہ سنگھار کر رہی ہوں
(اور یہ) میں تیری قسم کھا کر سچ کہتی ہوں
(لیکن تو) اپنے آپ پر نازاں مجھ سے بے نیاز ہے

مجھ سے یہ نفرت کیوں، اے محبوب!

اُوش چھِس تڑاواں بُہ ژاہِر ژالے
میہہ بالہِ گوُژھہ ہم ژری
ژہ کوو وَتو منیانہِ آکھ مُنتظراوان
ژہٕ نہٕ کینہہ گیی میانٛ دی

جب خوتوٗن بچھے ارمان کھیوان
کرُنے تہٕ ژہ نہٕ بند گی!
یاوُن رودُمُت چھُم یاد ایوان
ژہٕ نہٕ کینہہ گیی میانٛ دی

میں اوس کے دانے ہنستے ہوئے آنسو رو رہی ہوں
مجھ دکھیاری کو بس تو ہی چاہیے
نہ جانے تو میری راہیں کیوں بھلا رہا ہے
مجھ سے یہ نفرت کیوں، اے محبوب!

جب خاتون (اب) کفِ افسوس مل رہی ہے
کہ اس نے کبھی تیری بندگی (خدمت) نہ کی
اُسے اپنی بیتی ہوئی جوانی یاد آ رہی ہے
مجھ سے یہ نفرت کیوں، اے محبوب!

چاڙه ڪرُو ميُون مالينُو

واڙهي وڃين سيتو واڙه ڇهس نو
چاڙه ڪرُو ميُون مالينُو

گهرو ٻه ڏڏاسِين آپهٽنُس
ٽوٽ مينهه ڇهٽو مالينُو
ياته ڏيئو ٽيڙ ٽوٽا ٽيته
ٻاره ٽيڙ ڇي مالينُو

واڙهو ڏين سيتو واڙه ڇهس نو
چاڙه ڪرُو ميُون مالينُو

شُورو پانس سِيندر گيُو مو
وڙڪهُس ڪنڊر پنيوم

اے میرے میکے والو!

میری سسرال والوں سے بن نہیں جاتی
میرا کوئی چارہ کرو، اے میرے میکے والو

میں گھر سے پانی کا گھڑا بھرنے کو نکلی تھی
میری حرماں نصیبی سے میرا گھڑا ٹوٹ گیا
اب یا تو گھڑے کے بدلے گھڑا لاکے دو
یا پھر گھڑے کی قیمت چکا کے جاؤ

میری سسرال والوں سے بن نہیں جاتی
میرا کوئی چارہ کرو، اے میرے میکے والو

میری یہ اُبھرتی ہوئی جوانی ڈھلنے لگی
ان ٹیلوں کی چڑھائیاں مجھ سے سہی نہیں جاتیں

کتړه ډهاران کټر سنگو مو
وِترہ ژوَن پئیوم مالینو

واړو وڑین سیتو واره چس نو
چاره کرو میون مالینو

ہشہ لاگو نم تو پی سی تقف
سوی مینہ گو مرزہ کھو بسنخ
پندرہ پچہ پنشہ نسدر پیو
ڈکھر چھنگو مالینو

واړو وڑین سیتو واره چس نو
چاره کرو میون مالینو

یارہ وادے تارہ گیگو سو
یارہ بجھ جسم آہہ توئی
حبہ خو تونہ وون اشارا
دِل ہشارا مالینو

واړو وڑین سیتو واره چس نو
چاره کرو میون مالینو

کنکریاں تلاش کرتے کرتے میرے پاؤں پر چھالے پڑ گئے
آہ کہ میرے زخموں پر نمک چھڑکا جانے لگا

میری سسرال والوں سے بن نہیں جاتی
میرا کوئی چارہ کرو، اے میرے میکے والو

چوغہ کاتتے کاتتے میری آنکھ لگ گئی
اسی میں چرخے کی مال ٹوٹ گئی
میری ساس نے مجھے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹ لیا
یہ دکھ میرے لئے موت سے کہیں سوا ہے

میری سسرال والوں سے بن نہیں جاتی
میرا کوئی چارہ کرو، اے میرے میکے والو

میں اپنے محبوب کے لئے بیکل ہو رہی ہوں
یہ زندگی مجھ پر اجیرن ہو گئی ہے
حبہ خاتون کے اسی اشارے کو سمجھ
اے میرے بیدار دل میکے والو

میری سسرال والوں سے بن نہیں جاتی
میرا کوئی چارہ کرو، اے میرے میکے والو

نیرہ یار ژھانڈون

نیرہ نیرہ شہ دُے یار ژھانڈون

ویرہ پنڑہ شیئے

منڑ دی پنڑہ میساؤ گیُہ ئے

تڑو مُٹھ ئے بئے

ژوژ پچھو سی گڑ گیُہ ئے

تمو رجھنہ بئے

کوسہ پڑ ژڈ پے یس ودایس

ژوژم پرہ دہ شیئے

کارہ لاٹو ژنم نارہ کرتل

دارہ اوش چھم جوئے

آ، اُس کی تلاش کریں

اے سہیلی آ، اُس محبوب کی تلاش کریں

وہیں جانی پہچانی پرانی جگہ

جب سے وہ مجھ سے کھچا کھچا رہنے لگا

جب سے وہ مجھے بھول گیا ہے

میری چاندنی راتیں گھور اندھیرے میں بدل گئیں

آہ کہ اُس نے اوروں کو اپنا لیا

نہ جانے وہ میری کس سوکن کے بہکاوے میں آگیا

اور اجنبی جگہوں میں راتیں گزارنے لگا

اُس نے میری گردن پر جیسے شمشیر کا وار کیا

میری آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی بہہ رہی ہے

سنو تہ وہ گوژو ژبہ دمرے
ژوومہ کنڈ ستن شیئے
لاڑو نیا یس کرہ کیاہ ونیسو
پرو کرنس ہیے
گلہ بادمن نچ ماچھلیا ،
ڈچھنڑ کو ہیے
بالرتموشند خالہ یوسف
سو رعالم لیے
مس دیوتم کلہ وان
حیس پھیورم مینہ یے
کس نشہ وبہ جہ خوتون
تس تہ داماہ ویے

میں اُس کو ہر بلند و پست میں ڈھونڈوں گی
نہ جانے کس نے کہاں ڈیرا ڈالا ہے
قسمت کے لکھے ہوئے کو کیا پا جائے سہیلی!
آہ کہ میں چنبیلی مرجھا رہی ہوں!
میری جوانی پہ بہار لوٹ رہی ہے
کاش وہ اس کا نظارہ کرے
میری نظر میں اُس کی یوسف کی سی صورت
ہمارے سنسار سے کہیں زیادہ انمول ہے
ساقی نے مجھے ایسی شراب پلائی
کہ میرا انگ انگ جاگ اُٹھا
جو خاتون کسی کے سامنے کیسے کہے
کہ وہ ایک گھونٹ شراب کی رسیا ہے

اکہ لٹہ ییہ ہمنا

گبہ چیون پیوان گژھ

اکہ لٹہ ییہ ہمنا

یاوُنہ میانہ کرہ ہو مزہ ہو چیٹہ
کمیوٗ داژ رنگنے آکھ
میُنہ تو زون اُتھر ژژہ

اکہ لٹہ ییہ ہمنا

اَلبس بو ڈنہ ھس گژھ
نوٹہ مونتھ میُنہ یارہ بل
وُذرہ داوہ نوٹہ ما گژھ

اکہ لٹہ ییہ ہمنا

کاش وہ آئے!

تیرا حسن تاریکی کو روشنی بخشتا ہے
کاش تو گھڑی بھر کے لئے آجائے!

اے میری جوانی کے لال لال اوڑنی والے
تو نے یہ رنگ کہاں سے پایا ہے؟
مجھے کیا معلوم تھا کہ تجھے بھی دیمک لگ جائے گی

کاش وہ گھڑی بھر کے لئے آجائے!

میں اندھیرے میں پانی بھرنے کو گئی تھی
کہ گھونگھٹ پہ اپنا گھڑا اچھال آئی
خطاؤں کی آندھی سے کہیں گھڑا ٹوٹ نہ جائے

کاش وہ گھڑی بھر کے لئے آجائے!

ہوورہ لاؤں ڈزاییس گژھ
ژُورہ باے پیٛومو ناد
کمَن سوٚدرن تر لدر ہمٚ ژھہ
اکہِ لٹہِ پیٛیہ ہنا

یارِ میوٚن چھُ حباکٔڑ
کمال شِس چھُ نم ناو
شُدٕ ژھیم تتہ برکس منٛزٕ
اکہِ لٹہِ پیٛیہ ہنا

یارِ یکھ یارِ ژ ژٔرٕ
مے چھُ روزاں ساگر
یارِ واوِہ وارٕنج فٔکہ
اکہِ لٹہِ پیٛیہ ہنا

رات گئے میں اپنے سسرال سے باہر نکلی تھی
کہ مجھے چوروں میں شمار کیا جانے لگا!
چور — جیسے کانوں میں سونا اور گلے میں ہار ہے
کاش وہ گھڑی بھر کے لئے آجائے!

میرا محبوب "حباکدل"[1] میں ہے
اور اُس کو کمال نام سے پکارتے ہیں
اُس نے مجھے کس کے سہارے چھوڑ دیا
کاش وہ گھڑی بھر کے لئے آجائے!

دوست جب دوستی سے باز آئے
تو محبت بھی سالم نہیں رہتی
لیکن میری تو دوست کے لئے جان نکل رہی ہے
کاش وہ گھڑی بھر کے لئے آجائے!

[1] سری نگر کے ایک مشہور محلّے کا نام ہے

گِندہ نے دُرائیں

گندہ نے دُرائیں تُورُو گُہ پہ رسِت

دےہ دَرہ یامَت لُوسِت گوم

نَرہ منزِ آسِس بُرتیغ کَبُت
بَرہ بِلہ دُرائیں، تُوگُم :د
وِرِ کی تُپہ رِشتو تُپہ آپہ وسِت

دےہ دَرہ یامَت لُوسِت گوم

دانِس او حشم مالا زِینت
سوزُوی عالم و بچھے دُرام
مال بَلہ رو دُم محل گوم وسِت

دےہ دَرہ یامَت لُوسِت گوم

دِن ڈھل چکا

میں کھیلتے کھیلتے خود کو ہی کھو بیٹھی

آہ کہ دِن ڈھل چکا!

جب میں گھر ہی تھی تو پردہ کیے ہوئے تھی
گھر سے باہر نکلی تو میرا نام چاروں اور پھیل گیا
بڑے بڑے تپسیا کرنے والے مجھ پر لوٹ پوٹ گئے

آہ کہ دِن ڈھل چکا!

میری دُکان حسن، مال و متاع سے بھری پڑی تھی
دُنیا بھر کے گاہک میرے پاس کھنچے چلے آتے تھے
جب وہ متاع نہ رہی تو میری قدر و قیمت بھی جاتی رہی

آہ کہ دِن ڈھل چکا!

مالوٚ میاںٔی آرباب اَسی
توٚسے وڈام حجہ خوٹوٚن ناو
کم کم گو ڈڈر آیے ژنیت
دوہ ڈرہ یامت ٹوٚست گوم

میرے پچھلے والے اپنے وقت کے رؤسا میں سے تھے
اسی لئے میرا نام حجہ خاتون مشہور ہو گیا
کیا کہوں کہ مجھ پر کیسے کیسے لوگ جان چھڑک رہے تھے
آہ کہ دن ڈھل چکا!

واقی کیاہ میانہ مرنے

ژہ بخشتم ستاری پروردگارو

ژہ نیہ کیہو واتریو میناژہ مرنے

بغیئو بو آلیس دنیاں کیہو بیرہ یو
وینیہ کوی رنگ گوم خاصہ بیرے
لوڑ سوی شقو وتھو لوڑ دن تارو

ژہ نیہ کیہو واتریو میناژہ مرنے

لڑی لڑیو ودراچھو مال کھیچاو
ژهرہ اتچھ ساوہ تے کرہ تبرے
اوہ کوشہ مہ وہ وتھو لو کی چارو

ژہ نیہ کیہو واتریو میناژہ مرنے

تجھے کیا ملے گا؟

میری خطاؤں پر نہ جا، اے میرے خدا
تجھے میری موت سے کیا ملے گا، اے محبوب!

میں اس مصیبت میں تیرے بغیر دن کیسے گزاروں
تجھ ریحاں ایسی صورت کا رنگ پھیکا پڑ گیا!
تُو نے میرے دل میں یہ کیسی آگ لگا دی
تجھے میری موت سے کیا ملے گا، اے محبوب!

تُو یہ دنیا بھر کی دولت کہاں لادے پھر رہا ہے
کل تجھے خالی ہاتھ قبر میں لٹا دیا جائے گا
اے میری جوانی تو پھر ہوش میں کیوں نہیں آتی!
تجھے میری موت سے کیا ملے گا، اے محبوب!

سیپارہ ۳۰ ژٕ زانہٕ مرہ پرٕنم اکہٕ آز
چھیرہ تہٕ کتہٕ گوم زیٚو زبرے
عشقٕنۍ خط کاگزٕ پٮ۪ٹھ نیک بارہ

ژٕ نیٚہ کیٚہو واتہ وسینہٕ دِ مرنے

تجھے میری موت سے کیا ملے گا، اے محبوب!